

## جاگتا خدا

(مشکوٰۃ المصابیح حدیث: ۹۱)

عن أبی موسیٰ رضی اللہ عنہ قال : قام بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخمس کلمات فقال إن اللہ لا ینام، و لا ینبغی له أن ینام، یخفض القسط و یرفعه، و یرفع إلیه العمل اللیل قبل النهار و عمل النهار قبل اللیل، حجابہ النور، کو کشفہ لأحرقت سبحات و جہہ ما انتہی إلیه بصرہ من خلقہ۔

”حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بیچ میں پانچ باتیں (بیان کرنے کے لیے) کھڑے ہوئے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل سوتے نہیں اور نہ ان کے لیے موزوں ہے کہ وہ سوئیں۔ وہ میزان کو جھکاتے اور اٹھاتے ہیں۔ ان کے سامنے دن سے پہلے رات کے اعمال اور رات سے پہلے دن کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ روشنی ان کا پردہ ہے۔ اگر وہ یہ پردہ ہٹادیں تو ان کے چہرے کی روشنی ہر اس تخلیق کو جلا ڈالے جہاں تک ان کی نگاہ پہنچے۔“

### لغوی مباحث

قام بخمس کلمات : ایک صورت تو یہ ہے کہ بخمس کلمات کو حال لیا جائے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ آپ جب تقریر کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ کے پیش نظر یہ پانچ نکات تھے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ قام کے

ساتھ ب بطور صلہ ہو۔ اس صورت میں اس کے معنی کسی شے کی حفاظت و استحکام کی سعی کے ہیں۔ اس روایت میں یہ معنی مراد لینا محض تکلف ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ بخمس کلمات سے پہلے یتکلم کا فعل محذوف ہو۔ یہ صورت متکلم کے منشا کے زیادہ قریب ہے۔

یخفض القسط و یرفعہ: قسط کے معنی عدل کے ہیں۔ میزان یعنی ترازو کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ اس سے عدل قائم ہوتا ہے۔ شارحین نے خفض و رفع سے ناپ تول کا کام لینا مراد لیا ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ قسط سے مراد نصیب ہے اور یہاں رزق کی کمی بیشی کا عمل مراد ہے۔ اگرچہ قسط کے نصیب کے معنی میں آنے کی گنجائش لفظ میں موجود ہے، مگر یہاں خفض و رفع کے الفاظ سے ترازو کے معنی میں لینے کا تقاضا کرتے ہیں۔

سبحات و جہہ: سبحات، سبحۃ کی جمع ہے۔ سبحۃ سے مراد روشنی، جلال اور چمک دمک ہے۔ وجہ کے معنی چہرے کے ہیں، بسا اوقات یہ پورے وجود کو تعبیر کرنے کے لیے آتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی نسبت سے یہ لفظ دو پہلوؤں سے استعمال ہوا ہے۔ ایک ذات الہی کی تعبیر کے لیے جیسے: ویقسی وجہ ربك ذو الجلال والاكرام، (اور تیرے پروردگار صاحب جلال و اکرام کا چہرہ بانی رہے گا) اور دوسرے اللہ کی خوشنودی کی تعبیر کے لیے مثلاً: ما تنفقون الا ابتغاء وجہ اللہ (اور تم صرف اللہ کے چہرے (یعنی اس کی خوش نودی) کے لیے خرچ کرتے ہو) سبحات و جہہ کی ترکیب میں یہ پہلے معنی ہی میں آیا ہے۔

## متون

زیر بحث روایت میں بیان ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز پانچ باتیں بیان کیں۔ مسلم کی ایک روایت میں پانچ کے بجائے چار کا لفظ آیا ہے۔ اس روایت میں باتیں بھی چار ہی بیان ہوئی ہیں۔ کچھ متون میں سرے سے یہ جملہ ہی نہیں ہے۔ ان روایات میں اس روایت کے کچھ اجزا روایت ہوئے ہیں۔ کسی روایت میں دو جز اور کسی میں تین جز نقل ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ فرق لفظی ہیں۔ مثلاً: ما انتھی الیہ بصرہ کی جگہ کل شیء ادر کہ بصرہ کا جملہ مروی ہے۔ مسند احمد اور صحیح ابن حبان کی ایک روایت میں عمل کے پیش کیے جانے کے بجائے یہ بات بیان ہوئی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
اللہ تعالیٰ یسط یدہ باللیل لیثوب  
”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ رات  
کو اپنا ہاتھ پھیلاتے ہیں تاکہ وہ دن کے گناہ گار کو

۱۔ الرحمان ۵۵: ۲۷۔

۲۔ البقرہ ۲: ۲۷۲۔

معاف کریں، اور دن کو اپنا ہاتھ پھیلاتے ہیں تاکہ رات  
کے گناہ گار کو معاف کریں یہاں تک کہ سورج مغرب  
سے طلوع ہو جائے۔“

مسیء النہار و یسط یدہ بالنہار  
لیتوب مسیء اللیل حتی تطلع  
الشمس من مغربہا۔

(مسند احمد، رقم ۱۸۷۰۸)

ابن حبان نے یہ مضمون زیر بحث روایت کے جز کے طور پر روایت کیا ہے۔ اس روایت کے ایک متن میں حجابہ  
النور کی جگہ حجابہ النار کے الفاظ آئے ہیں۔ نار اور نور میں ایک قدر مشترک ہے اور وہ یہ کہ نار روشنی کا ایک ذریعہ ہے۔  
لیکن اس سیاق میں نور کا لفظ ہی موزوں معلوم ہوتا ہے۔ قرین قیاس یہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نور کا لفظ ہی بولا ہوگا۔

## معنی

یہ روایت بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے کچھ نکات کا بیان ہے۔ چنانچہ ہمارے  
نزدیک اس روایت کا تقدیر کے مسئلے سے براہ راست تعلق نہیں ہے۔ صاحب مشکوٰۃ نے اسے تقدیر کے باب میں درج کیا  
ہے۔ اس کا سبب غالباً روایت میں موجود یخفض القسط و یزفعہ کا جملہ بنا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صاحب مشکوٰۃ  
نے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیب میں کمی بیشی کے مفہوم میں لیا ہے۔ اور غالباً اسی وجہ سے وہ اسے باب تقدیر میں لائے  
ہیں۔

اس روایت میں اللہ تعالیٰ کے حوالے سے پانچ باتیں بیان ہوئی ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نہیں سوتے اور نیندان کے شایان شان نہیں ہے۔

۲۔ وہ میزان کے پلڑے جھکاتے اور اٹھاتے ہیں۔

۳۔ شب و روز کے اعمال ان کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔

۴۔ وہ نور کی اوٹ میں ہیں۔

۵۔ اگر وہ یہ اوٹ ہٹادیں تو ہر چیز جل جائے گی۔

پہلا نکتہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔ سورہ بقرہ کی معروف آیت، آیت الکرسی میں یہ بات ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے:  
اللہ لا الہ الا هو الحی القيوم لا تأخذه سنة ولا نوم (اللہ ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ  
زندہ ہے، سب کا قائم رکھنے والا ہے، نہ اس کو اونگھ لاحق ہوتی ہے نہ نیند) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔  
ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نہیں سوتے۔ دوسری یہ کہ نیندان کے شایان شان نہیں ہے۔ پہلی بات ایک اطلاع ہے اور براہ راست اس

سج البقرہ ۲: ۲۵۵۔

آیت میں بیان ہوئی ہے۔ دوسری بات اللہ تعالیٰ کی عظمت کو واضح کرتی ہے۔ عظمت کے اس پہلو کو مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر میں بہت خوبی سے بیان کیا ہے۔ محولہ بالا آیت کے تحت لکھتے ہیں:

”حی“ کے معنی زندہ کے ہیں۔ اور قیوم کے معنی ہیں وہ ذات جو خود اپنے بل پر قائم اور سب کو قائم رکھنے والی اور سب کو سنبھالنے والی ہو۔ ظاہر ہے جو خود زندہ نہ ہو وہ تمام دنیا جہان کے لیے زندگی بخش کیسے ہو سکتا ہے۔ اور جو خود اپنی ذات پر قائم نہ ہو وہ آسمان وزمین کو قائم رکھنے والا کس طرح ہو سکتا ہے۔۔۔

اس کے بعد فرمایا کہ نہ اس کو اونگھ لاحق ہوتی ہے نہ نیند۔ یہ نیند کی ابتدا اور اس کی انتہا دونوں سے اس کو بری قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ اس کی حی و قیوم ہونے کا لازمی تقاضا ہے۔ نیند موت کے ظلال و آثار اور اس کے مظاہر و مبادیات میں سے ہے، اس وجہ سے یہ خدا کی شان کے منافی ہے۔ پھر یہ اس کے قیوم ہونے کے بھی منافی ہے، جو خود نیند سے مغلوب ہو کر اپنے آپ کو قائم نہ رکھ سکے گا، وہ دنیا کو کیا قائم رکھے گا۔“ (تدبر قرآن ۵۸۸/۱)

حقیقت یہ ہے کہ نیند جہاں موت وزوال کا مظہر ہے، وہاں جب طاری ہو جاتی ہے تو عقل و احساس کے تعطل کا نام ہے اور اس طرح ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے حق میں ناموزوں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال ایجاز سے یہی بات ایک مختصر جملے میں بیان کر دی ہے۔

دوسرا نکتہ قسط کے خفض و رفع سے متعلق ہے۔ ہم یہ بات لغوی مباحث میں بیان کر چکے ہیں کہ خفض و رفع کے الفاظ متقاضی ہیں کہ قسط سے میزان مراد لی جائے۔ ہماری اس رائے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اس سے اگلی روایت (۹۲) میں یہ جملہ میزان کے لفظ کے بجائے ہی روایت ہوا ہے۔ غرض یہ کہ اس روایت میں قسط کا لفظ میزان کے مترادف کی حیثیت ہی سے آیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس سے کون سی میزان مراد ہے۔ جن شارحین نے اس سے اعمال کا تولنا مراد لیا ہے، ان کے حق میں اسی روایت کا اگلا جملہ بھی جاتا ہے۔ اس میں بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور صبح شام اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کو میزان میں رکھ کر ان کی قدر و قیمت کا فیصلہ کر دیتے ہیں۔ بعض شارحین نے اس پر یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ یہ چیز اس دنیوی زندگی میں خدا کی عنایات کے کم و بیش ہونے کا باعث بھی بنتی ہے۔ اس طرح وہ قسط کے دونوں معنی میں تطبیق بھی پیدا کر دیتے ہیں۔

لا ریب، دنیا میں جاری آزمائش کے قانون کے تحت اللہ تعالیٰ نعمت و نعمت کی مختلف صورتیں پیدا کرتے رہتے ہیں۔ پھر نعمت و نعمت کی ان صورتوں میں انسان جو رویے اختیار کرتا ہے، اس کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کبھی تنبیہ کے لیے سختی کرتے ہیں، کبھی حوصلہ افزائی کے لیے آسانی مرحمت فرماتے ہیں اور مجرموں کے معاملے میں امہال کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے بھی شارحین کی مذکورہ شرح ٹھیک ہی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ متنکلم کا منشا یہ نہیں ہے۔ ہمیں یہ

بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ ان الفاظ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت الکرسی کے لفظ قیوم کے ایک اطلاق کو بیان کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس دنیا کے نظام کو براہ راست قائم رکھے ہوئے ہیں۔ یہ نظام ایک توازن پر قائم ہے۔ قرآن مجید میں اس توازن کے لیے وضع میزان کی تعبیر خود اللہ تعالیٰ نے اختیار کی ہے۔ سورہ رحمن میں ہے: وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ، ”اور آسمان کو ہم نے اٹھایا اور میزان رکھ دی۔“ معلوم ہوتا ہے روایت میں میزان کا لفظ سورہ رحمن کی اسی آیت سے ماخوذ ہے۔ اور میزان ہی کی مناسبت سے اس روایت میں خفض و رفع کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ گویا روایت کا مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس توازن کو بحال رکھنے کے لیے اس میزان کے پلڑوں کو جھکاتے اور اٹھاتے رہتے ہیں۔

تیسرا نکتہ اعمال کے پیش کیے جانے سے متعلق ہے۔ صبح و شام کے اعمال کے پیش کیے جانے سے مراد فرشتوں کا اللہ تعالیٰ کے حضور اعمال کے رجسٹر پیش کرنا ہے۔ قرآن مجید میں یہ تو بیان ہوا ہے کہ فرشتے اعمال کا ریکارڈ تیار کرتے ہیں۔ لیکن یہ بات قرآن مجید میں بیان نہیں ہوئی کہ دن کا ریکارڈ شام کو اور رات کا ریکارڈ صبح کو پیش کر دیا جاتا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ریکارڈ کے ہر وقت مکمل رکھنے کے نظام کا بیان ہے اور اس میں اور قرآن مجید میں کوئی منافات نہیں ہے۔

چوتھی بات اللہ تعالیٰ اور کائنات کے بیچ حائل اوٹ سے متعلق ہے۔ اوٹ کے لیے اس روایت میں حجاب کا لفظ آیا ہے اور اس کی ماہیت نور بیان ہوئی ہے۔ نور کا لفظ اردو کے لفظ روشنی کا مترادف ہے۔ ہمارے لیے یہ متعین کرنا ناممکن ہے کہ اس سے روشنی کی کیا صورت مراد ہے اور یہ بات بھی ہمارے فہم سے بالا ہے کہ یہ اوٹ کیسے بن گئی ہے۔ یہ ایک خبر ہے اور اسے ایک خبر ہی کی حیثیت سے مانے بغیر چاہئے نہیں۔

قرآن مجید میں یہ بات بھی مذکور نہیں ہے۔ البتہ دو مقامات سے اس سے ملتی جلتی بات اخذ کی جاسکتی ہے۔ ایک جگہ پر وحی یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کے ساتھ رابطے کی صورتیں بیان ہوئی ہیں۔ سورہ شوریٰ میں ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا  
 أَوْ مِنْ وَرَائِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا  
 فَيُوحِي بِلَاذِنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيُّ حَكِيمٌ -  
 (الشوریٰ ۳۲: ۵۱)

”اور کسی بشر کی بھی یہ شان نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کریں، مگر وحی کے ذریعے سے یا پردے کی اوٹ سے یا بھیجے کسی فرشتہ کو، پس وہ وحی کرے اس کے اذن سے جو وہ چاہے۔“

اس آیه کریمہ میں ورائے حجاب کا جو ذریعہ بیان ہوا ہے، اس کی مثال حضرت موسیٰ کی پہلی وحی کا واقعہ ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے اس آیت کے اس ٹکڑے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

”دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ پردے کی اوٹ سے بات کرتا ہے۔ یعنی نبی اللہ کا کلام اور اس کی آواز تو سنتا ہے، لیکن اس کو دیکھتا نہیں۔ اس کی مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ کا کلام و خطاب ہے۔ تورات اور قرآن دونوں

میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے بات کی، مگر اس کو دیکھا نہیں اور قرآن میں یہ تصریح بھی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا اور کسی نبی سے اللہ تعالیٰ نے اس طرح کلام نہیں کیا۔ یہ شرف حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کو حاصل ہوا۔“ (تدبر قرآن ۷/۱۹۲)

ایک دوسرے مقام پر اس واقعے کی تفصیل بیان ہوئی ہے:

”یاد کرو جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا، میں نے اک آگ سی دیکھی ہے، میں وہاں سے یا تو کوئی خبر لاتا ہوں یا آگ کا کوئی انکارہ تاکہ تم تاپو، تو جب وہ اس کے پاس آیا تو اس کو آواز آئی کہ مبارک ہے وہ جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے ارد گرد ہیں اور پاک ہے اللہ عالم کا خداوند، اے موسیٰ، یہ تو میں ہوں، خداے عزیز و حکیم۔“ (انمل ۲۷: ۷-۹)

سورہ شوریٰ میں جس چیز کو حجاب کہا گیا ہے سورہ نمل میں اس کی توضیح آگ سے ہوئی ہے۔ آگ کا لفظ اس روشنی کی تعبیر کے لیے ہے جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ سمجھا اور اس کی طرف بڑھے تھے۔ ممکن ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مقام سے یہ بات اخذ کی ہو۔

پانچواں نکتہ اس حجاب کے ہٹنے کی صورت میں پیدا ہونے والے نتیجے سے متعلق ہے۔ یہ بات بھی ان الفاظ یا اس مفہوم میں قرآن مجید میں بیان نہیں ہوئی۔ البتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی ہی کا ایک واقعہ اس بات کی حقیقت سمجھنے میں مدد دے سکتا ہے۔ سورہ اعراف میں ہے:

”اور جب موسیٰ ہماری مقررہ مدت پر حاضر ہوا اور اس سے اس کے رب نے کلام کیا تو اس نے درخواست کی کہ اے میرے رب مجھے موقع دے کہ میں تجھے دیکھ لوں، فرمایا تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے، البتہ پہاڑ کی طرف دیکھو، اگر یہ اپنی جگہ ٹکارہ سکے تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے تو جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر جب ہوش میں آئے تو بولے تو پاک ہے میں نے

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ  
قَالَ رَبِّ ارِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَنْ نَرِيكَ  
وَلَكِنْ أَنْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ  
فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ  
جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا ، فَلَمَّا  
أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَ أَنَا أَوَّلُ  
الْمُؤْمِنِينَ۔ (الاعراف ۷: ۱۴۳)

تیری طرف رجوع کیا اور میں پہلا ایمان لانے والا بنتا

ہوں۔“

یہاں تجلی سے ذات کے پرتو کا ایک شمع ہی مراد ہے۔ جب ادنیٰ سی جھلک کا یہ معاملہ ہے تو پردہ ہٹانے سے کیا کچھ ہو سکتا

ہے۔

کتابیات

مسلم، کتاب الایمان، رقم ۲۶۳، ۲۶۴۔ ابن ماجہ، مقدمہ، رقم ۱۹۱، ۱۹۲۔ احمد، رقم ۱۸۷۰۸، ۱۸۷۰۹، ۱۸۷۰۵، ۱۸۷۰۶، ۱۸۸۰۶۔ صحیح ابن

حبان، رقم ۲۶۶۔ مسند ابی عوانہ، رقم ۳۷۹، ۳۸۱۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۲۶۲۔

www.al-mawrid.org  
www.javedahmadghamidi.com